مسئلہ عول اور جاوید احمد غامدی صاحب

محمد رفیق طاہر عفا اللہ عنہ

مجھے آج منکر حدیث جاوید احمد غامدی صاحب ہداہ اللہ کے ویڈیو کلپ کا یوٹیوب لنک موصول ہوا جس میں موصوف نے علم میراث کے مسئلہ عول کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اسے امت کی اجماعی غلطی قرار دیا ہے۔ اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو عول کا موجد بتایا ہے۔ جبکہ حقیقت میں موصوف خود اس مسئلہ کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں اور اپنی غلطی پہ پردہ ڈالنے کے لیے امت کو غلط قرار دے بیٹھے ہیں۔ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو موجد قرار دے کر یہ باور کروا رہے ہیں کہ عول قرآن وحدیث میں نہیں ہے انکی اپنی اختراع ہے، جبکہ حقیقت میں عول قرآن مجید میں موجود اللہ کا حکم ہے۔

جاوید احمد غامدی صاحب نے عول کے مسئلہ کو تالیف عبارت کی غلط فہم کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ موصوف خود قرآن کی عبارت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں! کیونکہ اس آیت مبارکہ

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ

اللہ تمھیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔

سورۃ النساء:11

میں تو واقعتًا یہ متعین نہیں کیا گیا کہ اولاد کا یہ حصہ ترکے کے کتنے حصے میں سے ہے۔ اور یہی طریقہ تقسیم وراثت میں اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ جب میت کی اولاد میں بیٹے بیٹیاں ہوں تو وہ سب عصبہ بنتے ہیں۔ اور عصبات کو حصہ اصحاب الفروض کو حصہ دینے کے بعد دیا جاتا ہے۔ لہذا اگر میت کے والدین اور اولاد موجود ہوگی تو پہلے والدین کو حصہ دے دیا جائے گا پھر باقی ماندہ سارا مال میت کی اولاد میں "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" کے اصول کے تحت تقسیم ہوگا۔ حدیث نبوی میں بھی اس صورت میں یہی طریقہ کار

مقرر کیا گیا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ

جن کے حصے کتاب اللہ میں مقرر ہیں انہیں انکے حصے دو اور جو باقی بچ جائے تو وہ قریب ترین مرد رشتہ دار کے لیے ہے۔

صحیح البخاری:6732

یعنی اصحاب الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی بچ جانے والا مال قریبی عصبہ کو دیا جائے گا۔ اور میت کی اولاد میں جب بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بیٹوں کی وجہ سے بیٹیاں بھی عصبہ ٹھہرتی ہیں سو اصحاب الفروض کو پہلے انکے حصے دے دیے جائیں گے اور باقی ماندہ مال میت کے بیٹوں یا بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہو گا۔ اکیلے بیٹے ہی ہوں تو سارا مال ان میں برابر تقسیم ہو جائے گا اور اگر ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو باقی رہ جانے والے مال کی تقسیم کا اصول مقرر کر دیا گیا ہے کہ ہر بیٹے کو بیٹی کی نسبت دوگنا دیا جائے گا۔

یہاں تو غامدی صاحب کا فہم درست ہے۔ لیکن یہاں سے آگے بڑھتے ہی وہ پھسل گئے اور گمراہی کی گہری کھائی میں جا گرے!

کیونکہ آگے اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

اگر (میت کی اولاد میں) عورتیں دو سے زائد ہوں تو انکے لیے اس میں سے دو تہائی ہے جو اس (میت) نے چھوڑا ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اسکے لیے آدھا ہے۔

سورۃ النساء:11

یعنی اگر میت کی اولاد میں عورتیں یعنی میت کی بیٹیاں ہوں دو یا دو سے زائد تو انہیں اس مال میں سے دو تہائی ملے گا، جو میت نے چھوڑا ہے، اور اگر اکیلی ہو گی تو اسی میں سے نصف ملے گا۔ یعنی یہاں اللہ تعالی

نے اس دو تہائی کے بارے میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ یہ دو تہائی میت کے کل ترکہ میں سے ہو گا۔ غامدی صاحب یہاں "مَا تَرَكَ " کو شیر مادر سمجھ کر پی گئے ہیں اور اپنے باطل نظریہ کی بنیاد نص قرآنی کے معنی میں تحریف پہ رکھی ہے۔

ہمارے ممدوح فرماتے ہیں " دو بیٹیوں کو باقی ترکہ کا دو تہائی دیا جانا چاہیے۔" جبکہ قرآن نے "ثلثا ما بقی" (باقی ماندہ میں سے دو تہائی) نہیں فرمایا بلکہ "فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ" (میت کے کل ترکہ میں سے دو تہائی) فرمایا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی نص صریح تو دو یا زائد بیٹیوں کو کل ترکہ میں سے دو تہائی دینے کا حکم دیتی ہے، جبکہ ہمارے ممدوح ان بیٹیوں کو میت کی اولاد ہونے کے جرم میں باقی ماندہ ترکہ میں سے دو تہائی دے رہے ہیں۔ اور موصوف کا یہ نظر قرآن مجید فرقان حمید کی صریح نص کے خلاف ہے۔ گویا جس بات کو پوری امت کی غلطی قرار دے کے بار بار اس پہ ہنس رہے ہیں حقیقت میں یہ انکی اپنی غلطی ہے! کہ پوری امت نے وہ معنی سمجھا ہے جو قرآن کے الفاظ میں موجود ہے جبکہ موصوف اپنے نہاں خانہ دماغ میں پیدا شدہ معنی کو قرآن پہ مسلط کرنے کے لیے آیت قرآنی میں سے "مَا تَرَكَ" کے الفاظ کو ہی ہضم کر گئے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ یہ ایمان کا مسئلہ ہے، جی ہاں واقعی ایمان کا مسئلہ ہے کہ امت نے قرآن کے ایک لفظ کو بھی نہیں چھوڑا اور غامدی صاحب "مَا تَرَكَ" کو چھوڑ کر "أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" کی عملی تصویر بنے ہوئے ہیں! سو انہیں اپنے ایمان کی فکر کرنا چاہیے اور اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے کہ "فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ" میں انکے لیے واضح وعید ہے! قرآن کا درست معنی وہی ہے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد میں دو یا زائد بیٹیاں ہونے کی صورت میں بیٹیوں کو باقی مال کا دو تہائی نہیں دیا بلکہ کل ترکہ میں سے دو تہائی دیا ہے۔ یعنی اس صورت میں جب میت کی اولاد میں بیٹے موجود نہ ہوں صرف بیٹیاں ہی ہوں تو

بیٹیاں عصبہ نہیں بنیں گی بلکہ اصحاب الفروض میں شامل ہوں گی۔ اسکی مثال دور نبوی میں پیش آنے والا یہ واقعہ ہے:

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جَاءَتْ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا، وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ، قَالَ: «يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ» فَنَزَلَتْ: آيَةُ المِيرَاثِ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمِّهِمَا، فَقَالَ: «أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ»

سعد بن الربیع کی زوجہ محترمہ اپنی سعد رضی اللہ عنہ سے دو بیٹیاں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں سعد بن الربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کا والد آپ کے ساتھ احد کے دن (جنگ میں) شہدی ہو گیا ہے، اور ان کے چچا نے ان کا سارا مال لے لیا ہے، اور ان کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا، اور مال کے بغیر انکی شادی نہیں ہو سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بارے میں اللہ تعالی فیصلہ فرمائے گا۔ تو میراث والی آیت (سورۃ النساء کی آیت 11،12) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچیوں کے چچا کو پیغام بھیجا کہ سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دے دو اور انکی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو باقی بچے گا وہ تیرے لیے ہے۔

جامع الترمذی:2092

اس حدیث میں بھی واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی کو یہ نہیں فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی بیوہ کو آٹھواں حصہ دے کر جو باقی بچے اس میں سے دو تہائی سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کو دے دو، بلکہ فرمایا ہے کہ سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی اور بیوی کو آٹھواں حصہ دے دو، جو کہ واضح ہے کہ کل ترکہ میں سے دو تہائی اور کل ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے کیونکہ پھر فرمایا کہ جو باقی

بچے وہ تیرے لیے ہے۔ گویا یہ حدیث بھی ہمارے ممدوح کی میراث دانی کا جنازہ نکال رہی ہے۔ کیونکہ انکی فہم کے مطابق تو پہلے میت کی زوجہ کو ثمن ملنا چاہیے تھا پھر باقی مال میں سے میت کی بیٹیوں کو ثلثان ملتا۔ لیکن یہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ذکر ہی بیٹیوں کا فرمایا ہے اور باقی مال کی کوئی بات تک نہیں فرمائی، بلکہ پہلے بیٹیوں کو ثلثان اور بیوی کو ثمن دینے کے بعد باقی مال کی بات کی ہے کہ وہ تیرے لیے ہے۔ یہی بات اللہ تعالی نے قرآن مجید فرقان حمید میں بیان فرمائی ہے۔ کہ بیٹیاں اگر دو یا زائد ہوں تو "فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ" ان کے لیے اس میں سے دو تہائی ہے جو اس (میت) نے چھوڑا ہے۔ یعنی کل مال کا دو تہائی بیٹیوں کو ملے گا۔ کیونکہ "ثُلُثَا" کی اضافت "مَا تَرَكَ" کی طرف ہے جس کا واضح معنی ہے کہ اس کا دو تہائی جو اس نے چھوڑا ہے، نہ کہ اس کا دو تہائی جو اس میت کے وارثوں نے باقی چھوڑا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی میراث سے متعلق اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جن آیات میں بیٹیوں او ربہنوں کو دو تہائی حصہ دینے کا بیان ہے اس سے مراد کل ترکہ کی دو تہائی ہے، نہ کہ باقی ترکہ کی۔ اپنے خانہ ساز نظریہ کو تحفظ دینے کے لیے قرآن و حدیث کی غلط توجیہات اور رباطل تاویلات کرنا منکرین حدیث کا شیوہ ہے، اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔

اللہ تعالی نے والدین کا حصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ

اور اس (میت) والدین میں سے ہر ایک کے لیے اس (میت) کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو۔

سورۃ النساء: 11

یہاں بھی اللہ سبحانہ وتعالی نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ اگر میت کی اولاد موجود ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ میت کے کل ترکہ میں سے ملے گا۔ یعنی چھٹا حصہ والدہ کو اور چھٹا حصہ میت کے والد کو جمیع ترکہ میں سے ادا کرنا ہو گا۔

پھر فرمایا:

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ

اگر اس (میت) کی اولاد نہ ہو اور اسکے وارث اسکے ماں باپ ہوں تو ماں کے لیے ایک تہائی حصہ ہے۔ اور اگر اس (میت) کے ایک سے زائد بھائی / بہن ہوں تو ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔

سورۃ النساء: 11

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں وارث صرف میت کے ماں باپ کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی میت کی بیوی یا خاوند کے سوا میت کے وارث اسکے ماں باپ ہی ہونگے۔ یعنی نسبی رشتہ داروں میں سے ماں باپ کے سوا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ میت اگر عورت ہے تو اسکے خاوند اور مرد ہے تو اسکی بیوی کو حصہ دینے کے بعد چونکہ میت کی اولاد نہیں ہے باقی سارا مال میت کے والدین میں تقسیم کیا جائے گا جس میں سے میت کی ماں کو ایک تہائی ملے گا۔ میت کے والد کا حصہ کتنا ہے اسکا تعین خود ہی ہو جائے گا کہ باقی سارے کے مالک چونکہ اس کے والدین ہیں تو والدہ کو بقیہ میں سے ایک تہائی دے کر باقی کا دو تہائی والد کو دیا جائے گا۔ اور اگر میت کا خاوند یا بیوی نہ ہو تو میت کا سارا ترکہ ہی والدین میں اسی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر صرف والدہ ہو تو اسکے لیے ترکہ میں سے تہائی حصہ ہے بشرطیکہ میت کی اولاد یا ایک سے زائد بھائی نہ ہوں۔

اور اگر میت کے ایک سے زائد بھائی / بہن ہوں تو میت کی والدہ کو کل ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر والدہ کے ساتھ والد بھی ہو تو زوجین میں سے کسی ایک کو حصہ دینے کے بعد باقی مال کا چھٹا حصہ والدہ کو اور باقی سارا والد کو ملے گا۔

یاد رہے کہ یہاں بھی ہمارے ممدوح غلطی کا شکار ہوئے ہیں جس کا ذکر اس ویڈیو میں تو نہیں تاہم انکی "میزان" میں موجود ہے وہ فرماتے ہیں "بھائی ایک بھی ہو، والدین کا حصہ کم ہو جائے گا۔" جبکہ مسٹر موصوف کا یہ نظریہ بھی خود ساختہ ہے اور قرآن مجید کے مخالف ہے! کیونکہ "إِخْوَةٌ" جمع کا لفظ ہے۔

اس سے مراد ایک سے زیادہ بھائی بہن ہیں۔ ایک بھائی کے لیے أخ اور ایک بہن کے لیے أخت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ ترکیب بھی اللہ تعالی نے قرآن مجید میں استعمال فرمائی ہے:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ

اور اگر کوئی مرد، جس کا ورثہ لیا جارہا ہے، ایسا ہے جس کا نہ ماں باپ ہو نہ اولاد، یا ایسی عورت ہے اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔

سورۃ النساء:12

یعنی اگر ایک بھائی یا ایک بہن کا یہاں بھی تذکرہ کرنا ہوتا تو اللہ تعالی یہ الفاظ استعمال فرماتے جو اگلی آیت میں استعمال فرمائے ہیں۔ لیکن اس آیت میں "أَخٌ أَوْ أُخْتٌ" کے بجائے "إِخْوَةٌ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں الگ معنی مراد ہے جو اس مذکور لفظ کے موافق ہے، اور وہ معنی ہے دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی۔

اور بیوی کا حصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ

تو اگر تمہاری کوئی اولاد ہے تو ان (تمہاری بیویوں) کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا ہے۔

سورۃ النساء:12

یہاں بھی بات بالکل واضح ہے کہ میت کی اگر اولاد موجود ہو تو میت کی بیوی کو میت کے کُل ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

اب جب کہ یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید فرقان حمید میں دو بیٹیوں کو کُل ترکہ میں سے دو تہائی، بیوہ کو کُل ترکہ میں سے آٹھواں اور والدین کو کُل ترکہ میں سے ایک تہائی (سدس + سدس) دینے کا حکم ہے۔ تو قرآنی حکم کے مطابق تقسیم بھی کل ترکہ میں سے ہی کی جائے گی۔ اور پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ

اگر کسی میت کی دو بیٹیاں، ایک بیوہ اور ماں اور باپ وارث ہوں تو انہیں کُل ترکہ میں سے بالترتیب ثلثان، ثمن، سدس، اور سدس دینا اللہ تعالی کا حکم ہے۔اسی حکم ربانی کو نافذ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ترکہ کی تقسیم میں یہ تناسب قائم رکھا جائے جو اللہ تعالی نے مقرر فرمایا ہے۔ سو ہم میت کا ترکہ یوں تقسیم کریں گے:

ورثاء	حصص
دو بیٹیاں	ثلثان (دو تہائی)
بیوہ	ثمن (آٹھواں)
والد	سدس (چھٹا)
والدہ	سدس (چھٹا)

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دو عدد تہائی حصے، دو عدد چھٹے حصے اور ایک آٹھواں حصہ کل مال میں سے ہم نے ورثاء کو دینا ہے تو اس کے لیے کل مال کے اتنے حصے کیے جائیں جو سب کو پورے آ جائیں تو ہم ان اعداد کا ذو اضعاف اقل نکالتے ہیں جو کہ 24 ہے۔ یعنی کل مال کو 24 برابر حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کو ان میں سے اسکا حصہ دے دیں گے۔ اسے وراثت کی اصطلاح میں تصحیح مسئلہ کہتے ہیں:

ورثاء	حصص	24 (تصحیح)
دو بیٹیاں	ثلثان (دو تہائی)	16
بیوہ	ثمن (آٹھواں)	3
والد	سدس (چھٹا)	4
والدہ	سدس (چھٹا)	4

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حصص کی تقسیم کے بعد کل 27 حصے درکار ہیں سو ہم کُل مال کے اتنے حصے بنا لیں گے جتنے حصے درکار ہیں۔ اسے علم میراث کی اصطلاح میں عول کہا جاتا ہے:

ورثاء	حصص	24(تصحیح)	27(عول)
دو بیٹیاں	ثلثان (دو تہائی=⅔)	16	16
بیوہ	ثمن (آٹھواں=⅛)	3	3
والد	سُدس (چھٹا=⅙)	4	4
والدہ	سُدس (چھٹا=⅙)	4	4

اب فرض کریں کہ میت کا کُل ترکہ 24000 روپے ہے تو اسے میت کے ان مذکورہ ورثاء میں ایسے تقسیم کریں گے:

ورثاء	حصص	24(تصحیح)	27(عول)	888.888=24000÷27
دو بیٹیاں	ثلثان (دو تہائی=⅔)	16	16	888.888 × 16 =14222.22
بیوہ	ثمن (آٹھواں=⅛)	3	3	888.888 × 3 =2666.66
والد	سُدس (چھٹا=⅙)	4	4	888.888 × 4 =3555.55
والدہ	سُدس (چھٹا=⅙)	4	4	888.888 × 4 =3555.55

تنبیہ: یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اعشاری نظام میں تقسیم میں نقص واقع ہو جاتا ہے جو "صفر اعشاریہ کچھ" کا ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

اس طرح اللہ سبحانہ وتعالی کے حکم پہ عمل ہو جاتا ہے اور ورثاء کو ان کا مقرر کردہ حصہ بھی مل جاتا ہے۔ کرنا صرف اتنا ہے کہ ذو اضعاف اقل کے مطابق حصص تقسیم کرنے ہیں، اور جتنے حصص درکار ہوں کل مال کے اتنے حصص بنا لینے ہیں۔

اگر ریاضی کے حساب سے اسے سمجھنا چاہیں تو مفروضہ کل ترکہ 24000 روپے مذکورہ افراد میں یوں تقسیم ہو گا:

$$\frac{2}{3}x + \frac{1}{8}x + \frac{1}{6}x + \frac{1}{6}x = 24000$$

$$\frac{16 + 3 + 4 + 4}{24}x = 24000$$

$$\frac{27}{24}x = 24000$$

$$x = \frac{24000}{27} \times 24$$

دونوں بیٹیوں کا حصہ

$$\frac{2}{3}x = \frac{2}{3} \times \frac{24000}{27} \times 24 = 14222.22$$

والدہ کا حصہ

$$\frac{1}{6}x = \frac{1}{6} \times \frac{24000}{27} \times 24 = 3555.55$$

والد کا حصہ

$$\frac{1}{6}x = \frac{1}{6} \times \frac{24000}{27} \times 24 = 3555.55$$

بیوہ کا حصہ

$$\frac{1}{8}x = \frac{1}{8} \times \frac{24000}{27} \times 24 = 2666.66$$

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وراثت کے متفقہ اصول کے مطابق ہر وارث کو جتنا حصہ ملا ہے، اتنا حصہ ہی ریاضی کے طریقے پہ تقسیم کرنے سے ملا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالی کے فرمان ''مَا تَرَكَ'' کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ الغرض یہ حساب ہر لحاظ سے درست ہے۔

جبکہ ہمارے ممدوح کے بتائے گئے طریقے کے مطابق تو اللہ کے حکم پہ عمل ہی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالی نے کل ترکہ میں سے دو تہائی، کل ترکہ میں سے آٹھواں، کل ترکہ میں سے چھٹا حصہ دینے کا حکم دیا ہے، جبکہ وہ بعض ورثاء کو یہ حصہ کل ترکہ میں سے دیتے ہیں اور بعض کو باقی ترکہ میں سے۔

تنبیہ بلیغ:

اس ضمن میں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ ہمارے ممدوح نے اپنے نظریہ میراث کی بنیاد جس اصول پہ رکھی ہے وہ یہ ہے کہ:

''کسی وارث کے لیے جو حصہ مقرر کر دیا جائے، اس میں کمی کسی صورت بھی نہیں ہونی چاہیے''

لیکن یہ نظریہ ہی باطل ہے۔ کیونکہ یہ کبھی ضروری نہیں کہ ورثاء کے حصے یوں مقرر کیے جائیں کہ تمام ترکہ ان میں پورا تقسیم ہو جائے اور کچھ بچے ہی نہ، بلکہ ہو سکتا ہے کہ حصص کے مطابق ترکہ تقسیم ہونے کے بعد بھی کچھ باقی بچ جائے اور وہ اسی تناسب سے ورثاء میں دوبارہ تقسیم کر دیا جائے یوں انکے حصص میں متناسب اضافہ ہو جائے گا۔ علم میراث میں اسی کا نام ''رد'' ہے۔ مثلا میت کے ورثاء میں صرف اس کی والدہ ہے اور کوئی بھی نہیں تو اسکا اصل مقرر حصہ ایک تہائی (33.33٪) ہے، لیکن چونکہ اور کوئی وارث نہیں ہے تو باقی کا دو تہائی (66.66٪) بھی والدہ کو ہی دے دیا جائے گا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی ورثاء زیادہ ہوں تو انکے حصص میں متناسب کمی کی جائے، اور اسی صورت کو علم الفرائض کی اصطلاح میں ''عول'' کہتے ہیں کہ جس سے ہمارے ممدوح خار کھائے بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال اول الذکر مسئلہ ہے جسے ہم نے تفصیل سے حل کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ جب بھی کوئی قانون یا اصول مقرر کیا جاتا ہے تو وہ عمومی حالات کے لیے ہوتا ہے، اور ہمیشہ یہ امکان رہتا ہے کہ کچھ خاص صورتیں ہوں جو اس قانون یا اصول کے بجائے استثنائی ضوابط پہ قائم ہوں۔ جیسے نماز میں اصل قانون قیام کا ہے لیکن مریض کے لیے استثناء موجود ہے کہ وہ بیٹھ کر ادا کر لے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز ادا کر لے۔ نماز میں سکون واطمینان کو لازم قرار دیا گیا ہے لیکن حالت جنگ بھی بھاگتے دوڑتے بھی نماز ادا کرنے کی رخصت ہے۔ تو یہ خاص حالات کے لیے استثناء ہے۔ اسی طرح میراث کے باب میں بھی کچھ عمومی اصول و قوانین ہیں اور بعض خاص حالات میں چند استثناءات ہیں، جنہیں ''رد'' اور ''عول'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

عول کا باب بھی بہت منضبط ہے کہ چھے (6) اگر ذو اضعاف اقل (تصحیح مسئلہ) ہو تو 10، 9، 8، 7 پہ عول ہوتا ہے۔ اور اگر بارہ (12) ہو تو وہ 17، 15، 13 پہ عول ہوتا ہے۔ اور اگر چوبیس (24) ہو تو وہ صرف 27 پہ عول ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ہے۔

اور پھر قرآن مجید فرقان حمید میں بھی حصص کی کمی کا طریقہ منصوص ہے جیسا کہ آیت میراث کی وضاحت میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ والدہ کے لیے ایک تہائی حصہ مقرر کیا گیا ہے بشرطیکہ میت کی اولاد یا دو سے زائد بہن بھائی نہ ہوں، اگر ان میں سے کوئی فریق بھی ہو گا تو میت کی والدہ کا حصہ ایک تہائی سے آدھا کم ہو جائے گا اور صرف چھٹا حصہ ملے گا۔ اسی طرح میت عورت ہو اور اسکی اولاد نہ ہو تو اسکے خاوند کو کل ترکہ میں سے آدھا مل جائے گا، اور اگر اولاد ہو تو اس کا خاوند صرف چوتھائی ترکہ کا وراث بنے گا یعنی آدھا حصہ کم ہو جائے گا۔ اسی طرح میت اگر مرد ہے اور اسکی اولاد نہیں ہے تو اس کی بیوہ کو کل ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا، لیکن اگر میت کی اولاد ہو گی تو بیوہ کو چوتھے حصے کے بجائے آٹھواں حصہ ملے گا، یعنی اس طرح بیوہ کا حصہ آدھارہ جائے گا۔ اسی طرح میت کی بیٹی اکیلی ہو تو ترکہ میں سے 50 فیصد کی مالک بنتی ہے لیکن اگر دو بیٹیاں ہوں تو ان میں سے ہر بیٹی کو 33.33 فیصد ملتا ہے پھر اگر انکے ساتھ ایک

بھائی بھی ہو تو مزید کم ہو کر ان کا حصہ 25 فیصد فی کس رہ جاتا ہے اور 50 فیصد بھائی کو مل جاتا ہے۔ الغرض ورثاء کے زیادہ ہونے کے سبب حصص میں متناسب کمی تو قرآن مجید فرقان حمید کی نص میں موجود ہے۔ اور عول میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے!

اب کیا کیا جائے کہ ہمارے ممدوح کو نہ تو قرآن کی صحیح سمجھ آسکی، نہ علم الفرائض (وراثت کا علم) سیکھ سکے، اور نہ ہی ریاضی کی کچھ سوجھ بوجھ حاصل کر سکے۔ انہیں صرف دو دُونی چار کا پہاڑ آتا ہے جو انہوں نے پڑھ کے سنا دیا، جبکہ یہ کچی کلاس کا دو دُونی چار کا پہاڑا نہیں بلکہ بڑی کلاسوں کی ریاضی ہے!۔ اور سامنے بیٹھے سامعین بھی سطحی سی تعلیم کے حامل ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں کہ ان کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہے ہیں اور موصوف کی کھسیانی ہنسی سے محظوظ ہوتے ہوئے چودہ سو سال سے امت میں جاری علم میراث کو کوس رہے ہیں۔ سمجھ خود کو نہیں ہے اور غلط پوری امت کو کہا جا رہا ہے، یاللعجب!

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم

چشمہ آفتاب راچہ گناہ

آخر میں ہم موصوف کو ناصحانہ گزارش کرتے ہیں کہ وحی الہی کے علوم میں اگر کوئی خامہ فرسائی کرنی ہی ہے تو اس علم کے ماہرین سے استفادہ کر لیں تاکہ "ضلوا فأضلوا" کی صف سے نکل سکیں۔ اور اگر فلسفہ میں سے حکمت نظریہ کی شاخ ریاضیات پہ بات کرنی ہے تو بھی اس فن کے ماہرین سے فیض حاصل کریں تاکہ آپ دو دونی چار سے دو چار قدم آگے بھی بڑھ سکیں۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ